دبیر عباس
لیکچرر شعبہء اُردو
گورنمنٹ کالج ملکَ وال (منڈی بہاء الدین)

سلیم احمد کے اُسلوبِ تنقید کا مطالعہ

Style has been an object of study in literature since long. In this research paper Saleem Ahmed's style of criticism as the proper adornment of thought has been studied. Saleem Ahmed a prolific Urdu critic, whom rhetorical figures and syntactical patterns produce a unique literary style, is analyzed here the way his style arises from the possibility of choice among alternative forms of expression. Salim Ahmed's critical appreciation is not simply to describe the formal features of texts for their own sake, but in order to show their functional significance for the interpretation of the text or in order to relate literary issues to the social and ideological causes where these are felt to be relevant. Salim Ahmed's resemblance and relevance with his mentor, renowned Urdu critic, Muhammad Hasan Askari has also been considered. Moreover, what has been written about Salim Ahmed's style in last fifty years is critically examined to evaluate his contribution to Urdu criticism.

سلیم احمد کے اُسلوبِ تنقید کے مطالعے میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اہلِ نقد اُسلوب کو لکھنے والے کی شخصیت کا آئینہ دار خیال کرتے ہیں، جو دراصل فرانسیسی ماہرِ حیاتیات ڈاکٹر بوفان کے ۱۷۵۰ء میں "Discours Sur Le Style" کے عنوان سے فرانسیسی اکادمی کے افتتاحی خطبے میں پیش کردہ اِس جملے ''اُسلوب خود انسان ہے'' کی تائید و توثیق ہے۔ اِس کلیدی تنقیدی نکتے کو اُنیسویں صدی کے امریکی شاعر اور مضمون نگار ایمرسن نے "A man's style in his minds's voice." کہہ کر واضح کیا ہے۔ جس میں ذہنی اُفتاد اور انفرادیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔(۱) یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ شخصیت کی تعمیر میں بہت سے عناصر کارفرما ہوتے ہیں۔ ظاہری شکل وصورت، اوضاع واطوار، اخلاق وعادات، اعمال وافعال، سیرت وکردار، ذہنی صلاحیتیں، یہ سب خصوصیات یک جا ہو کر شخصیت کی تعمیر کرتی ہیں، لیکن اسپنگارن نے لکھا ہے۔

> ''اگر شخصیت اِن صفات کا نام ہوتا اور اِن کے یک جا ہونے سے شخصیت وجود میں آتی تو ہر شخص جو چلتا پھرتا، ہنستا بولتا اور شعر کہتا ہے، شخصیت کا مالک سمجھا جاتا۔ حالاں کہ بہت سے افراد ہیں جو بولنے چالنے اور لکھنے پڑھنے کے باوجود شخصیت سے محروم ہیں۔''(۲)

انسان کی شخصیت کی تعمیر میں دو طرح کے عنا صر کا رفر ما ہو تے ہیں۔ایک تو وہ جواُسے حیا تیاتی وجبلی طور پر ملتے ہیں اوردوسرے وہ جو اسے تہذیب وتمدن سے حاصل ہو تے ہیں ۔جو انسان جتنا زیا دہ با شعور ہو گا اُس کے یہاں تہذیب وتمدّن کے اثر ا ت اتنے ہی زیا دہ قوّی ہوں گے۔یہ ہی اثرات اُس کے عقیدے ،نظریے اور اخلا قی تصوّرات کی تشکیل کر تے ہیں۔سلیم احمد نے بھی جوشؔ کی شخصیت پر مضمون لکھتے ہوئے تقر یباً ایسے ہی خیا لا ت کا اظہا ر کیا ہے ۔اُن کے خیال میں بھی انسان کی زندگی پر دو طرح کے اثرات غا لب ہیں ۔ایک تہذیبی اور دوسرے حیا تیاتی ۔سلیم احمد لکھتے ہیں:

''ہما ری زندگی دو قسم کے اثرات سے متا ثر ہو تی ہے ۔ایک قسم کے اثرات وہ ہیں جو بر اہِ راست زندگی سے پیدا ہوتے ہیں ۔مثلاً ہم اپنی صحت کی فکر کر تے ہیں ، حفا ظت کا خیال کر تے ہیں ، ہم میں دولت کی خوا ہش پیدا ہو تی ہے ۔دوسری قسم کے اثرات وہ ہیں جو زندگی سے بر اہِ راست پیدا نہیں ہوتے بلکہ مذہب ،سائنس ،ادب اور دوسرے علو وم وفنون کے ذریعے حاصل ہو تے ہیں۔''(۳)

عموماًانسا نو ں کی اکثر یت پہلی قسم کے اثرات کے تحت زندگی بسر کر تی ہے اور ااُن پر تہذیبی اثرات کا اثر کم ہوتا ہے اور یہ ہی لوگ اُس چیز ،جسے اسپنگارن شخصیت کا نا م دیتا ہے، سے محروم ہو تے ہیں ۔لیکن جو لوگ تہذیبی اثرات سے متأ ثر ہوتے ہیں ،اُن پر سو چتے ،محسوس کر تے اور نتا ئج اخذ کر تے ہیں ۔اُن میں آہستہ آہستہ اُن کے لیے جگہ پیدا ہو نا شر وع ہو جاتی ہے۔ یہی اثرات جہا ں اُن کی ایمانیات ،عقا ئد ،نظریات اور اخلا قی تصوّرات کی تشکیل کر تے ہیں، وہا ں اُن کی تخلیق میں بھی مؤ ثر کر دار ادا کر تے ہیں ۔ پر وفیسر عبدالحق نے ایمان ،عقیدے ،نظریے اور اخلا قی تصوّرات کی تشکیل کو سیرت کا نا م دیا ہے :

''سیرت ،اقدارواسالیب کی ارتقائی کیفیا ت کا نقطہ ارتکا ز ہے جس کی شعاعیں تعمیر وتخلیق کی امکا ن فضا کو منور کر تی ہیں اور سعی وعمل کو تحرک بخشتی ہیں ۔ہنر مندی کے تمام ذرائع ابلاغ سیر کے تا بع ہیں ۔اسلوب کا تعین اور تشکیل کی اساس بھی سیرت ہے۔''(۴)

تنقیدی تحریروں میں اُسلو ب اور شخصیت کی حیثیت لا زم وملزوم کی سی ہوجاتی ہے۔ ہے ۔اِس سلسلے میں سلیم احمد کی تحریر کا یہ اقتباس اِس موقف کی تائید کرر ہا ہے :

''اُسلو ب میں ہما رے احساس وخیا ل کے سا رے رویّے اور تیورمو جو د ہو تے ہیں ۔سعدی نے کہا ہے' آدمی جب تک نہیں بولتا،اس کے عیب و ہنر چھپے رہتے ہیں'۔بعض لوگ تو اُسلوب کو دیکھ کر یہاں تک اندازہ لگا لیتے ہیں کہ آدمی جنسی فعل کیسے کرتا ہو گا ؟چنانچہ عسکری صا حب نے کہا ہے اُسلو ب پو ری سوانح عمری ہوتا ہے اور ایسی سواغ عمری جس میں کو ئی بات چھپا ئی نہیں گئی بلکہ چھپ نہیں سکتی ۔اُسلو ب ہمار ے عیب وہنر، قو ت ،کمزوری ،عمق وسطحیت ،ذکا وت وحمق ،حساسی اور بے حسی کا ایسا پر دہ در ہے کہ با تو نی بیوی بھی ہو گی۔''(۵)

''غا لب کو ن'' میں سلیم احمد نے ایک جگہ پر بوفان کے گذشتہ سطور میں مذکور بیا ن''شخص ہی اُسلو ب ہے'' کی

تشریح کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اُسلوب شخصیت کا عطر ہے، یہ بجلی کی وہ رو ہے جو شخصیت سے پھوٹ رہی ہے ۔اپنے اُسلوب میں ہم پورے کے پورے موجود ہوتے ہیں کہ یہ ہماری پوری سوانح عمری ہوتا ہے۔ اُسلوب کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے کتنی زندگی بسر کی ہے اور کیسی ۔ہم خود کو کتنا چھپائیں مگر ہمارا اُسلوب ہمیں ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ ہمارا ایسا پردہ درہے کہ درانداز دشمن اور رازدار دوست بھی نہ ہوگا۔ اُسلوب بتاتا ہے کہ ہم کیا ہیں ،خود کو کیا سمجھتے ہیں،اوروں کی طرف ہمارا رویہ کیا ہے ، ہم دنیا سے کیا تعلق رکھتے ہیں ۔ دراصل اُسلوب ہی ہماری شخصیت ہے۔''(۶)

کسی فن کار کی شخصیت کا مطالعہ بعض حوالوں سے اُس کے اُسلوب کی کسی نہ کسی جہت کا مطالعہ بھی ہوتا ہے۔بعض اوقت کسی فن کار کی شخصیت کو سمجھے بغیر اُس کے اُسلوب کو سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے ،خصوصًا تنقیدی تحریروں میں اِس پر توجہ دینا ضروری ہوتا ہے کیوں کہ یہاں متکلم خود نقاد ہوتا ہے نہ کہ تخلیقی تحریروں کا کوئی تخیلی کردار۔

طارق سعید اپنی کتاب ''اُسلوب اور اُسلوبیات'' کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ جس طرح پھول کی پہچان اُس کی خوش بو سے ہے، اُسی طرح فن کار کی پہچان اُس کا اُسلوب ہے ۔ضروری نہیں کہ ہر تحریر میں اُسلوب موجود ہو یا ہر صاحبِ قلم ، صاحبِ اُسلوب بھی ہو۔ اِس بات کا پتا لگانے کے لیے کہ ایک تحریر ادب ہے یا نہیں یا کوئی ادب پارہ کس درجہ کا ادب ہے، اُس کا معیار کیا ہے ،اُس کی اقدار کیا ہیں ؟ ان سوالوں کا جوب تلاش کر کے ادب کی عظمت کا سراغ لگانے کے لیے لازماً ایک فکری اور فنی پیمانوں پر مبنی نصب العین کو مدِ نظر رکھنا ہوگا ۔اِسی فکری وفنی نصب العین کا نام اسلوبیات ہے۔

اُسلوبیات کی اصطلاح اُردو تنقید میں زیادہ پرانی نہیں ۔بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں اُسلوبیات کا استعمال نظر آتا ہے۔اُسلوبیاتی طریقہ کار کی رُو سے روایتی تنقید کے موضوعی اور تاثراتی انداز کے بجائے ادب پارے کے اُسلوب کا تجزیہ معروضی ،لسانی اور سائنسی بنیادوں پر کیا جاتا ہے ،طارق سعید لکھتے ہیں۔

''اُسلوبیات ،وضاحتی لسانیات کی وہ شاخ ہے جو ادبی اظہار کی ماہیت ،عوام اور خصائص سے بحث کرتی ہے۔''(۷)

اُسلوبیات کا بنیادی تصوّر یہ ہے کہ کوئی فکر ،جذبہ یا احساس زبان میں کئی طرح سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ ان ممکنہ پیرایہ بیان میں سے کسی ایک کا انتخاب (جس کا اختیار مصنف کو ہے)دراصل اُسلوب ہے ۔اسلوبیات زبان کے ماضی ، حال اور مستقبل کو نظر میں رکھتی ہے۔ادبی اسلوبیات ،تجزیاتی طریقِ کار کے استعمال سے تخلیقی اظہار کے پیرایوں کی نوعیت کا یقین کر کے ان کی درجہ بندی کرتی ہے ۔وہ اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ فن کار نے ممکنہ تمام لسانی امکانات میں سے اپنے طرزِ بیان کا انتخاب کس طرح کیا اور اس سے جو اُسلوب خلق ہوا ،اس کے امتیازات اور خصائص کیا ہیں ۔

اُسلوب محض تخلیق کار کا نہیں ہوتا ،بل کہ اُس کے پورے عہد کی بھی ایک شخصیت یا انفرادیت ہوتی ہے لہٰذا ہر

ناقد کے عہد کے بھی اُسلوب کو مدّ ِ نظر رکھا جانا چاہیے۔اِسی طرح ہرصنفِ ادب کا بھی اپنا اُسلوب،شخصیت اور مزاج ہے جس کا تجزیہ کیے بغیراس صنف میں پیش ہو نے والی تخلیقات کے مزا ج کو جا ننا مشکل ہے ۔اُسلو بیاتی تجزیے میں اِنھی امتیا زات کی نشان دہی کی جا تی ہے، جن کی وجہ سے کسی فن پارے ،مصنف ،شا عر،صنف ،ہیئت یا عہد کی شنا خت ممکن ہو سکے ۔ یہ امتیا زات کئی طرح کے ہو سکتے ہیں اور یہ امتیا زات مصنف یا شاعر ،مقصد اظہار اور قاری کی نوعیت کے گرد گھو متے ہیں۔

سلیم احمد کی تنقیدی تحریروں کے مطالعے میں کئی ایسے خصا ئص اور امتیا زات نمایاں ہو کر سا منے آتے ہیں، اُن کے اُسلوب میں تأثّر اور جمالیات کواہمیت حاصل ہے،مگرنظری بنیادوں کوبھی مدّ ِ نظر رکھنا ضروی ہے۔اِن تین خصائص کے امتزاج سے سلیم احمد کا مخصوص طر زِتحر یرمتشکل ہوتا ہے۔جس میں اُن کی انفرا دیت نظر آتی ہے۔اِن امتیا زات کو دو بنیا دی حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ایک فکر ی امتیازات، دوسرے لسانی امتیازات ۔ یہ امتیا زات اُن کی تحریروں میں یک جا ہو ئے تو ان کو ایک منفر د اُسلو ب عطا ہوا ۔سلیم احمد ہر اس تحر یر کو ادب سمجھتے تھے جو انسانی نفس کی کسی بھی حا لت کی خبر دے ۔ اُنھیں ادب میں احسا س کی صداقت پر بڑا یقین تھا ۔اس وجہ سے وہ تنقید کو با طن کی سیا حی سے بھی تعبیر کر تے تھے اور اس سیا حی میں چلتے رہنے پر اُن کا ایمان تھا۔اپنے مضمون ''تلاشِ حقیقت کا مسافر''میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ انسانی خیا ل کی دنیا میں منزل کو ئی چیز نہیں ،سفر ہی اصل چیز ہے۔سلیم احمد اپنے اس قول پر تما م عمر کا ربند رہے اور حقیقت کے متلاشی رہے ۔اِس حقیقت کی تلاش میں انھوں نے تخلیقات،تصوّرات اور شخصیات کو گہرائی تک سمجھنے کی کوشش کی اور وہ اِس کوشش میں مختلف منزلیں طے کر تے چلے گئے،جس کا ایک اظہار''ادھوری جدید یت'' کے پیش لفظ میں بھی ملتا ہے:

> ''مَیں اپنی عمر کے نصف سے زیا دہ حصّے میں جن سوالا ت سے دو چا ر رہا ہوں اور ان کا جواب پا نے کی جس جستجو نے مجھے مسلسل لکھنے اور لکھتے رہنے پر مجبو ر رکھا ہے، وہ کو ئی ایسی چیز نہیں جو بنے بنائے ما ل کی طر ح کسی بھی دکا ن دستیا ب ہو جائیں ۔میر ے سوالا ت بھی میر ے اپنے ہیں اور میر ے جوابا ت بھی میر ے ہی سوالا ت سے پیدا ہوتے ہیں ۔اس لیے اس کتا ب کے نام کی طر ح ان مضا مین کی ہر با ت بھی ادھو ری ہے ۔پو ری بات کہا ں ہے یہ خو د مجھے بھی نہیں معلوم ۔اب تک میر ا کا م صرف تلاش ہے۔۔۔۔''(۸)

تنقیدی تحریروں میں نت نئے سوالا ت اٹھا نا سلیم احمد کی طبیعت اورتنقید کا خا صہ رہا ہے ۔وہ اپنی گفت گو اورتحر یر میں کو ئی اختلا فی مسئلہ ضرور چھیڑ دیتے ۔سلیم احمد کے سوالات تنقید کی پیشہ ورانہ ضر ورتو ں سے پیدانہیں ہوئے، بل کہ یہ سوالا ت اُن کی روح کے آشوب سے پھو ٹتے تھے ۔اِن سوالا ت نے سلیم احمد کی روح اورشعور کو پو رے طور پر اپنی گر فت میں لے رکھا تھا ۔وہ ایک مضطر ب آدمی تھے ۔لہٰذا یہ اضطراب اُن کی تحریروں میں مختلف سوالا ت کی صورت میں سامنے آئے ۔ممتاز نقاد ڈاکٹر سہیل احمد خان کے الفاظ میں:

> یہ اضطراب ایک آتشیں لہر کی طرح چمکتا ہے "(۹)

اِس اضطراب کا ذکر سلیم احمد نے خود بھی اپنی کتاب ''نئی نظم اور پورا آدمی'' کے دیباچے میں یہ کہہ کر کیا ہے :

''یہ مضامین میں نے بہت اضطراب کی حالت میں لکھے ہیں۔'' (۱۰)

استفہامیہ مزاج اُن کی تحریروں میں جگہ جگہ نظر آتا ہے، اُن کی دو کتابوں کے نام بھی یہ اُسلوب لیے ہوئے ہیں۔'' "غالب کون ؟''اور''محمد حسن عسکری ،انسان یا آدمی ؟''بقول عزیز حامد مدنی :

''وہ سفّاک سوالات اُٹھاتے تھے ۔ایسے سوالات جن کی رمزیت ادب اور معاشرے اور رواں صدی کے فکری پیانوں کا احاطہ کیے ہوئی تھی۔''(۱۱)

سلیم احمد کے نزدیک سوال اور سوال کرنے کی اہمیت کیا تھی ،اِس کا ندازہ اِس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے:

''صورتِ حال تلخ ہے اور میرا سوال تلخ تر ۔اگر ماضی کی فتوحات خدا کا انعام تھیں تو یہ موجودہ ذلت آمیز صورتِ حال خدا کا قہر ہے یا نہیں ؟اور خدا کا قہر ہے تو خدا کے قہر سے ہمیں کیا چیز بچا سکتی ہے؟مسلمان بنا ؟ پہلا سوال تو یہ ہے کہ مسلمان ،مسلمان کیوں نہیں ہیں ؟دوسرا سوال یہ ہے کہ مسلمان بننے کے کیا معنی ہیں ؟ کیا ہم کلمہ گو نہیں ہیں ؟ کیا ہماری مسجدوں میں اذانیں نہیں ہوتیں؟ کیا ہر سال لاکھوں مسلمان حج نہیں کرتے؟جوابِ شکوہ کا ہر جواب درست سہی ،مگر یہ جواب ہماری آنکھیں کیوں نہیں کھولتے اور آبِ رواں کیوں بہہ رہا ہے؟اور روما کی سلطنت کو پلٹنے والے شیر اپنی کچھاروں میں کیا کر رہے ہیں ؟اور صدیوں سے ہمارے اقبال کے خواب بےتعبیر کیوں ہیں؟''(۱۲)

سلیم احمد کی تحریروں میں دل چسپی کا عنصر پیدا کرنے میں جہاں اور بہت سے انداز کارفرما ہیں،وہیں اُن کا یہ سوالاتی انداز بھی اہمیت کا حامل ہے۔اُن کی تحریروں میں دل چسپی کا عنصر سدابہار رہتا ہے ۔جس کی وجہ سے وہ باآسانی قاری کی توجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ کسی بھی فکر، واقعے یا شخصیت کا ذکر دل چسپ اور یقین افروز اُسلوب میں کرتے ہیں۔یہ دل چسپ اسلوب مصنف اور قاری کے رشتے کو مستحکم کرتا ہے ۔سلیم احمد کی تحریریں ذوق شوق سے پڑھی گئیں ان کے نظریات سے اختلافات کے باوجود اُن کی تحریروں کے قابلِ مطالعہ اور دل چسپ ہونے سے انکار نہیں کیا گیا۔ایک زیرک ناقد ہونے کے ناطے وہ اپنی تحریروں کو دل چسپ بنانے کے لیے مختلف مواقع پر مختلف انداز اپناتے ہیں ۔اس کے لیے اگر انھیں نطشے کے زرتشت کے''نٹ'' کا بہروپ بھی بھرنا پڑا، تو انھوں نے بھر لیا ۔سلیم احمد کہتے ہیں کہ اگر میں گفت گو کر رہا ہوں اور لوگ سو رہے ہوں تو مجھے ایسے قارئین یا سامعین کی ضرورت نہیں۔چناں چہ اپنے قارئین کو جگانے اور اپنی طرف مکمل متوجہ کرنے کے لیے مضمون کا پہلا فقرہ اور پہلا پیراگراف ہی اس قدر منفرد اورزوردار لکھتے ہیں کہ پڑھنے والا فوراً چونک اٹھتا ہے اور یہ چونکانا ہی اُن کے اُسلوب کی پہچان ہے ۔سلیم احمد کے چند معروف انتقادی فقروں سے یہ نکتہ واضح کیا جا سکتا ہے ۔یہ فقرے مختلف مضامین کا سرِ آغاز ہیں۔ا۔''عورت کی طرح شاعری بھی پورا آدمی مانگی ہے ۔''(نئی نظم اور پوا آدبی)۲۔'' کہتے ہیں نزلہ عضوِ ضعیف پر گرتا ہے ،لیکن اُردو شاعری کی پچھلی سو سالہ تاریخ میں عضورئیس پر گراہے۔''(غزل مفلر اور ہندوستان)۳۔ " آدمی کی پیدایش کا صحیح فطری طریقہ یہ

ہے کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہو لیکن 'نیا آدمی مغرب کے دماغ سے پیدا ہوا۔''(نیا عہد نامہ ۔باب پیدائش)۴۔''ہم سب ماں کے پیٹ سے پورے پیدا ہوتے ہیں' آدھے تہائی یا چوتھائی نہیں۔''کسری آدمی(اسم اوّل ،تصور پرست)۵۔''بہت دِنوں کی بات ہے ایک لڑکے نے خواب میں دیکھا کہ سورج ،چاند اور گیارہ ستارے اُسسجدہ کررہے ہیں "۔(حکایتِ یوسف اورہم)سجدہ کررہے ہیں'۔(حکایتِ یوسف اورہم)ابتدائی جملوں کے علاوہ مضمون میں کئی جگہوں پر ایسے فقرے ملتے ہیں جو قارئین کی دل چسپی کو بھی برقرار رکھتے ہیں اور پڑھنے والے کی توجہ مضمون کی طرف رہتی ہے۔مثلاً''اُنھیں(حالی کو) جدیدیت سے زیادہ اپنا مفلر عزیز تھا۔''(ادھوری جدیدیت)۲۔''غالب نے کہا تھا ،''ہے آدمی بجائے خود اِک محشرِ خیال' (مگر)یہ انسان (جوشؔ) 'محشرِ جذبات' ہے۔''(جوش اور آدمی)۳۔''عورت کی طرح ،شاعری کا پتا بھی چھونے سے چلتا ہے۔''(چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے)۴۔''تنقید نگاری کے کام کو میں ویسے بھی دلالی کا کام سمجھتا ہوں۔'' (ادب اورشعور)

روایتی اُردو ناقدین میں محمّد حسن عسکری اور انتظار حسین، مظفّر علی سیّد کے ساتھ ساتھ سلیم احمد اور اُن کے بھائی شمیم احمد بھی فقرہ بازی کے لیے مشہور ہیں ۔ترقی پسند ناقدین میں اِس حوالے سے ڈاکٹر ظ۔انصاری پھر اُنھی کے اُسلوب میں وارث علوی نے بہت نام کمایا۔ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق یہ فقرہ بازی '' اُسلوب میں Liberty لینے کے مترادف ہے''(۱۳)۔کچھ لوگ اس فقرہ بازی کو سلیم احمد کے اُسلوب کی جان کہتے ہیں اور بعض حلقے اِسے اُن کے تنقیدی معائب میں شمار کرتے ہیں ۔بہ ہر طور یہ فقرے صرف نفسِ مضمون کو چمکانے یا محض دل چسپی پیدا کرنے کے لیے ہی نہیں ہیں،بل کہ کسی گہرے اسرار کی عکاسی بھی کرتے ہیں اور عمومی صورتِ حال کو بھی پیش کرتے ہیں۔بعض لوگ فقرہ برائے فقرہ بازی کو اُسلوب کا کوئی وصف نہیں سمجھتے لیکن اگر فقرہ بازی میں سلیقہ اور قرینہ اپنایا جائے تو اُسلوب کی خامی نہیں بلکہ خوبی بن جاتا ہے۔اس ضمن میں سلیم اختر کہتے ہیں کہ یقیناً تنقید کا فریضہ علمی ہے یعنی سنجیدگی ،متانت اور شائستگی تنقید کا خاصہ ہیں لیکن عسکری اور سلیم احمد مروّجہ اُسلوب کے ڈھانچے میں نہیں لکھتے ۔ان کی نظر میں سلیم احمد کی یہ فقرہ بازی کوئی عیب نہیں کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ نقاد میں اگر ذہانت کے ساتھ ساتھ موضوع کی جزئیات پر عبور ہو اور نیت بھی نیک ہو تو پھر استعارہ کی مانند تیز فقرہ بھی موضوع کے کئی گوشے منور کر دیتا ہے۔ یہاں سلیم احمد کی فقرہ بازی کی نقل کرتے ہوئے سلیم اختر، انور سدید پر ایک فقرہ کستے ہیں ۔

> ''لیکن اِس مقصد کے لیے تیز ذہانت ،مطالعہ اور پالتو تعصّبات سے پاک ذہنیت کا ہونا ضروری ہے،ورنہ فقرہ بازی اُس پست سطح پر آجائے گی جہاں وہ انور سدید کی دشنام میں تبدیل ہو جاتی ہے۔''(۱۴)

یہاں سلیم احمد کے اسلوبِ تنقید کو سمجھنے کے لیے چند ایسے فقرے پیش کیے جاتے ہیں جو ذہانت ،مطالعے اور تنقیدی بصیرت کا ثبوت بھی ہیں اور موضوعِ بحث پر بھی روشنی ڈالتے ہیں :

۱۔''مولانا حالی کو غزل پر ویسا ہی اعتراض تھا جیسا مسلمانوں کو رنڈی بازی پر۔''(غزل،مفلر اور ہندوستان)
۲۔''غنی خدا کے بعد عاشق اور محبوب بھی محبت سے چھٹی مانگ کر خاندانی منصوبہ بندی کی گولیاں لینے چلے گئے ہیں

۔''(تثلیث کا تیسرا پایہ)۳۔''غالبؔ نے اپنی مشکل پسندی کا ڈھول پیٹا اور پھر اُن کے مریدوں نے تو اُنھیں اتنا اڑایا کہ فلکِ معانی کا ستارہ بن گئے ۔مَیں اِس ستارہ کو اُردو کا دُم دار ستارہ کہتا ہوں۔'' (ابہام اور بازی گری)

سلیم احمد کے تیکھے اسلوبِ تنقید کے حوالے سے پروفیسر سحر انصاری نے لکھا ہے:

''اپنے موٴقف کو صفحۂ قرطاس پر نمایاں کرتے وقت اُن کا قلم لرزتا نہیں تھا۔''(۱۵)

وہ اپنے عہد کے مسائل سے اپنے پورے وجود کے ساتھ برسرِ پیکار رہے لہٰذا ان کی سوچ سے اختلاف کی گنجایش تو ہوتی ہے، مگر اُن کے اظہار کی سچائی اور بے باکی پر شک نہیں کیا جاسکتا۔وہ بنا ہچکچائے اپنا موٴقف بیان کر دیتے ہیں ، اِس کے لیے انھیں بقول اُن کے مسخرہ ہی کیوں نہ بننا پڑے اور فقرہ بازی کا سہارا ہی کیوں نہ لینا پڑے خواہ اِس فقرہ بازی کا تعلق جنس سے ہی کیوں نہ ہو۔جو کہ اُردو کے تنقیدی ادب میں شجرِ ممنوعہ رہی ہے۔

سلیم احمد کے خیال میں جس طرح بھوک اور پیاس انسان کے طبعی تقاضے ہیں ،اسی طرح جنسی جذبہ بھی انسان کے فطری تقاضوں میں شامل ہے اور یہ ایک ایسا موضوع ہے جس میں ہر انسان کی دل چسپی کا عنصر موجود ہے ۔سگمنڈ فرائیڈ کے زیرِ اثر سلیم احمد بھی ہر تصوّر ،تخلیق ،یا شخص کو جنس کی روشنی میں پرکھتے ہیں ۔اِس لیے اُن کی تحریر میں جنس سے متعلق الفاظ اور جنسی جذبے کے حوالے، دلائل ،مثالیں اور تقابل بکثرت نظر آتے ہیں ۔یہ حوالے ،مثالیں یا دلائل موضوع کی معنویت میں وسعت اور گہرائی پیدا کرنے کے لیے اور مفاہیم کی وضاحت کے لیے ہوتے ہیں۔ذیل میں دی گئی چند تحریریں اس حوالے سے قابلِ ذکر ہیں:

''چاند میرؔ اجی کی نظموں میں محبت کی علامت ہے یعنی جنسی جذبہ جب انفرادی شکل میں ہو ۔خود جنسی جذبے کی علامت رات ہے جو غیر شخصی ہے اور حیات کا مظہر ہے ۔رات کا سایہ جنس کا شخص جذبہ اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔اس کے مقابلے پر دن ،فرد کی غیر جنسی زندگی کی علامت ہے۔''(نئی نظم اور پورا آدمی)''گھٹے ہوئے جنسی جذبات بڑے گھناؤنے ہوتے ہیں ۔آپ انھیں جتنا بند رکھیں گے اتنی ہی ان میں سڑاند پیدا ہوتی جائے گی"۔(غزل ،مفلر اور ہندوستان)"جنس، نیند، تھکن اور چلیے بھوک بھی کہیے ۔یہ سب گوشت پوست کے آدمی کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔''(کسری آدمی)''شادی اور عشق دونوں کی بنیاد جنس پر ہے ۔جنس پر انسان میں خواہ وہ مرد ہو یا عورت موجود ہوتی ہے۔جنسی جذبات عمومی ہوتے ہیں ۔یعنی مرد کو عورت کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت کو مرد کی ۔'' (علامہ سلیمان ندوی ،عشق اور معاشرہ)''عشق کے معنی ہیں جنسی جذبات میں عمومیت کے بجائے تخصیص کا پیدا ہو جانا ۔'' (علامہ سلیمان ندوی ،عشق اور معاشرہ)متذکرہ بالا تحریریں تو ایسی ہیں کہ جو موضوع کی گہرائی اور وسعت واہمیت میں اضافے کا سبب ہیں، لیکن بعض اوقات سلیم احمد اپنے موضوع اور موٴقف کا اظہار ہی جنسی اصطلاحوں میں کرتے ہیں ۔اس حوالے سے نئی نظم اور جدید شاعری کے سلسلے میں اُن کی یہ دو تحریریں خاص طور پر توجہ طلب ہیں :''عورت کی طرح شاعری بھی پورا آدمی مانگتی ہے۔ آپ عورت کو خوب صورت الفاظ سے خوش نہیں کر سکتے ۔صرف زیور کپڑے اور نان ونفقے سے بھی نہیں ۔یہاں تک کہ اس کام اسے بھی نہیں جسے محبت کہتے ہیں ۔عورت کی طرح شاعری بھی اسی ناقابلِ تقسیم وحدت کی تلاش کرتی

ہے''۔(نئی نظم اور پورا آدمی)''اردو زبان کو حالؔی کے وقت سے جدید شاعری کا حمل ہے ۔مگر افسوس ہر بار اسقاط ہو جاتا ہے ۔''(اختلافات کا پھل)جنس کا حوالہ دے کر بات کرنا سلیم احمد کے اُسلوبِ نقد کی اہم جہت ہے۔اُسلوب کو شخصیت کا آئینہ دار خیال کرتے ہوئے سلیم احمد نے جوش کا جس طرح مطالعہ کیا ہے ،خود اُن کی زندگی کی بدنی جہت پر بات ہوسکتی ہے، تاکہ اُن کے تنقیدی نظام کو سمجھا جاسکے۔یہاں جودو تحریریں پیش کی جارہی ہیں اُن میں پہلی تحریر میں تو سلیم احمد نے خود اپنے بارے میں برملا اظہار کیا ہے جب کہ دوسری تحریر سے قاری کچھ نہ کچھ نتائج ضرور اخذ کرسکتا ہے:

''مَیں نے اپنے ایک معاشقے کے سلسلے میں جب اپنے بزرگوں کو یہ جواب دیا کہ میں فرزند آزر کی سنت پر چل رہا ہوں یعنی وہی کروں گا جو بحیثیت فرد کے میرا دل چاہے گا ،تو میری محبوبہ یہ سمجھ کر کہ مَیں سب کچھ اُس کے لیے کر رہا ہوں ۔خوشی کے جذبے سے اتنی سرشار ہوئی کہ حوّا کی طرح جنت کا ایک پھل مجھے دے بیٹھی ۔پھل واقعی بہت مزے دار تھا۔''(غالبؔ اور نیا آدمی)

''۔۔۔کوئی خیالی پیکر ،کسی حسینہ کی تصویر ،کسی دوشیزہ کے کپڑے ،حسبِ توفیق و استطاعت کوئی چیز ایسی ہونی چاہیے جسے آپ عورت کا نعم البدل سمجھ لیں ۔اور کیا اچھا ہوگا اگر آپ اس کا کوئی اچھا سا نام بھی رکھ لیں ۔چلیے سلمٰی ہی سہی اور فعل کے دوران اُسے بار بار دہراتے رہیں ۔اُس سے لطف دوگنا چوگنا ہو جاتا ہے''۔(نئی نظم اور پورا آدمی)

سلیم احمد کی تحریروں میں یہ بے تکلّف اندازِ بیاں جگہ جگہ دیکھا جاسکتا ہے لیکن اِس کے باوجود اُن کی تحریریں خیال انگیز ،بصیرت افروز اور سنجیدگی سے پڑھے جانے کی مستحق ہیں ۔سنسنی خیزی ،دہشت پسندی، خود نمائی ،فقرے بازی ،طنز ،انتہا پسندی، تنوّع اور ہٹ دھرمی، اُن کے ادبی مرشد محمّد حسن عسکری کی تحریروں کا بھی خاصہ رہا ہے اور سلیم احمد کے اُسلوب پر بھی جس کے اثرات نظر آتے ہیں۔

سلیم احمد کے اُسلوب کا ایک اور نمایاں پہلو طنز کا استعمال ہے۔یہ طنز کبھی مخصوص صورتِ حال سے ظاہر ہوتی ہے،کبھی کسی مختصر لطیفے کی صورت میں اور کبھی فقرہ بازی کے انداز میں یا اشارے کنایے میں نظر آتی ہے ۔مثلاً ایک جگہ جوشؔ کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''جوش کے اٹھارہ عشق ہائے کامران کا المیہ یہ ہے کہ وہ حیوانی سطح سے بس اتنے ہی بلند ہوئے کہ اُردو بول لیتے ہیں۔''(۱۶)

سلیم احمد کی تحریروں میں یہ طنزیہ انداز یا فقرہ بازی محض خانہ پری نہیں ہوتی، اُن کا ہر فقرہ خیال کو بڑھاتا اور وضاحت کرتا نظر آتا ہے ۔لہٰذا وہ طنز کسی کی ذات پر حملہ کرنے کے لیے نہیں کرتے ،بل کہ اپنے موضوع اور خیال کے معنوں میں وسعت پیدا کرنے کے لیے کرتے ہیں اور یہ انداز بھی انھیں اپنی طبیعت کے اضطراب کی بدولت نصیب ہوا۔ اُنھوں نے نظیر صدیقی کے نام ایک خط میں اپنے اِس تنقیدی انداز کے بارے میں لکھا ہے:

''مَیں نے جو کچھ لکھا ہے بہت کڑھ کر ۔بہت دُکھ اٹھا کر لکھا ہے۔اب تمھارے جیسے 'دیدہ ور' کو بھی صرف

میرے فقرے نظر آتے ہیں ۔میرا دکھ اور میری کڑھن نظر نہیں آتی تو اپنی بدقسمتی کے سوا اور کیا کہوں ؟ کہیں کہیں میرا لہجہ شدید طور پر طنزیہ ضرور ہو گیا ،لیکن طنز کو مَیں حماقت سے جنگ کرنے کا واحد ہتھیار سمجھتا ہوں۔''(۱۷)

سلیم احمد کی شخصیت میں محبت ،شفقت ،اخلاص اور دوسروں کی دِل جوئی کا عنصر بھی ملتا ہے ۔وہ سچے تعلق کی ایک اعلیٰ انسانی صورت تھے ۔انھوں نے اپنی صحبت میں بیٹھے والوں سے جہاں بہت کچھ سیکھا ،وہاں انھوں نے اپنے پاس بیٹھے والوں کی علمی ونفسی تربیت کی بھی حتیٰ المقدور کوشش کی ۔نجی محافل میں سلیم احمد بڑے بذلہ سنج اور لطیفہ گو مشہور تھے، لیکن سنجیدہ اور تنقیدی تحریروں میں لطائف کی گنجائش ذرا کم ہی ہوتی ہے۔اس لیے وہ زیادہ تر طنز ہی کے مختلف اسالیب کو آزماتے ہیں۔ڈاکٹرسلیم اختر اُن کے اُسلوب کے بارے میں اِس نتیجے پر پہنچے ہیں:

''سلیم احمد کے اُسلوب کا چلبلا پن ،اس کی فقرہ بازی اور پھبتی (جو بعض اوقات طعن وتشنیع میں تبدیل ہو جاتی ہے) ایسے ہتھیار ہیں جس سے اُس نے اپنی تنقید کا اسلحہ خانہ تیار کیا۔''(۱۸)

سلیم احمد جہاں قاری کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اور تحریر کی بے رنگی کو ختم کر کے دل چسپی کے مختلف حربے استعمال کرتے ہیں، وہاں وہ علمی دیانت اور سنجیدگی کا بھی پورا پورا خیال رکھتے ہیں ۔نتیجتاً اُن کی نثر رواں دواں ،خوب صورت اور شگفتہ ہو جاتی ہے ۔تحریر میں شگفتگی اور پھر سنجیدہ شگفتگی پیدا کرنا آسان کام نہیں لیکن سلیم احمد نے یہ کام کر دکھایا ہے۔سلیم احمد اپنا مؤقف پیش کرنے کے لیے جہاں علمی دلائل سے کام لیتے ہیں، وہیں شگفتہ بیانی بھی اُن کی تحریروں میں چھلکتی ہے ۔مثلاً عزیز حامد مدنی کے بارے میں سلیم احمد کا مضمون ''بڑے شہر کا شاعر'' ایک سنجیدہ تحریر ہے، لیکن قاری کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اِس تحریر کے آغاز میں ڈرامائی انداز میں کیا گیا ہے:

''اُس روز ہماری گفت گو بہت دور نکل گئی ۔آخر مدنی صاحب نے اچانک مخصوص انداز میں ، جو بعض اوقات بہت دل کش اور بعض اوقات اتنا ہی اشتعال انگیز معلوم ہوتا ہے، پلٹ کر مجھ سے کہا اور اس وقت یقینی طور پر مجھے دل کش محسوس ہوا ۔تو وہ ٹھیک کہتے تھے۔''(۱۹)

چوں کہ سلیم احمد جہاں ایک نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باہُنر ڈراما نویس بھی تھے۔ چناں چہ اُن کی تحریروں میں کہیں کہیں یہ ڈرامائی رنگ بھی ملتا ہے،جس کی طرف ڈاکٹر سہیل احمد خان سمیت بعض ناقدین نے توجہ دلائی ہے ۔ڈاکٹر مختار احمد عزمی نے بھی کچھ ایسی ہی رائے ظاہر کی ہے :

''دوسری بہت سی باتوں کی طرح سلیم احمد نے یہ اُسلوب بھی عسکری ہی سے سیکھا ہے عسکری صاحب نے بھی اپنی کتاب ستارہ یا بادبان کا دیباچہ لکھنے کی بجائے اختتامیہ لکھا ہے۔''(۲۰)

یہ بات کافی حد تک درست ہے کہ اُسلوب میں ڈرامائی انداز ،اُن کے ادبی مرشد محمد حسن عسکری کا فیض ہوسکتا ہے، لیکن سلیم احمد اپنی تحریر میں کئی جگہ ڈرامائی مکالمے کو بھی بروئے کار لاتے ہیں اور اُردو تنقید میں ڈرامائی مکالمہ تو اُن کی ایجاد ہے اور اس ڈرامائی مکالمے میں عمومی گفت گو کا لہجہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس حوالے سے ڈاکٹر عزیز ابن الحسن کا تجزیہ

لائقِ توجہ ہے :

''اُن کی تحریر کی اہم ترین خصوصیت اُن کا چونکا دینے والا انداز ہے۔مربوط اور مدلّل کلام اور سب سے بڑھ کر خوانگی Readability اُن کی نثر کی بنیادی خصوصیت تھی۔'' (۲۱)

سلیم احمد کا خیال ہے کہ کسی شاعر کا حقیقی تجزیہ تقابلی مطالعے ہی کے ذریعے ممکن ہے۔لہٰذا وہ جب بھی کسی شاعر کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس کا تقابل ماضی اور معاصر شاعری کے ساتھ کرتے ہیں۔ اِس تقابلی مطالعے سے ان کو نتائج اخذ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے، تاہم ضروری نہیں کہ نتائج منطقی اور اصولی بھی ہوں۔ تقابلی مطالعے میں بعض اوقات وہ صورتِ حال بھی پیدا ہوجاتی ہے، جسے پروفیسر کرار حسین غالب کے بٹیرے سے مومن کا بٹیرا لڑانے کہتے تھے۔اختر الایمان کی شاعری پر بات کرتے ہوئے سلیم احمد کی یہ تکنیک کارگر ثابت نہیں ہوئی۔ تاہم بیسویں صدی کے ایک قابلِ لحاظ شاعر یگانہؔ کی شاعری کے حوالے سے وہ تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد بالکل درست نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یگانہ کے ہاں معاصر زندگی کی جو مخصوص روح کارفرما ہے وہ نہ اقبالؔ میں ملتی ہے نہ فراقؔ میں ۔یہی تقابلی انداز وہ نظریات ،تصوّرات اور رجحانات کا تجزیہ کرنے میں بھی اختیار کرتے ہیں۔ جیسے اُنھوں نے جدید تہذیب کا تجزیہ ہندا سلامی تہذیب یا عجمی اسلامی تہذیب کے ساتھ تقابل کر کے پیش کیا ہے۔

سلیم احمد کے تنقیدی اُسلوب کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ وہ جب بھی کسی خاصی رجحان کے شاعر یا ناقد کا تجزیہ کر رہے ہوتے ہیں، تو مضمون میں ضمناً کسی اور شاعر یا ناقد کا جو اُس رجحان کا حمایتی ہو یا مخالف ،کا بھی چند جملوں میں تذکرہ کر دیتے ہیں ۔بعض اوقات یہ ضمنی تذکرہ صرف ایک فقرے پر مشتمل ہوتا ہے ۔لیکن وہ فقرہ اپنے اندر اختصار کے ساتھ ساتھ مکمل جامعیت سموئے ہوئے ہوتا ہے ،جس سے اُس شاعر یا ناقد کی شخصیت اور فن سے متعلق قاری کو مکمل آگاہی مل جاتی ہے ۔مثال کے طور پر قمر جمیل کی نظموں پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مضمون ''اختلافات کا پھل ''میں یہ لکھنا کہ ''شہر کے شاعروں کی روحِ عصر نے آواز دی۔(علی عباس جلال پوری کی ''روحِ عصر'' نے نہیں)''۔اِسی طرح معروف ترقی پسند نقاد ممتاز حسین کی تنقید پر لکھتے ہوئے مضمون کے آخر میں ایسا جملہ لکھ جاتے ہیں۔''مَیں تکّوں کو گننے اور فہرست شمار کرنے کا کام مجتبیٰ حسن کے لیے چھوڑتا ہوں۔''جوشؔ صاحب کی نظم پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔'' جوش صاحب نے نظم کہی ہے، کوئی ''عالمانہ مقالہ'' سپردِ قلم نہیں کیا، جو عبادت بریلوی کے مضامین کی طرح ناموں کی فہرست پر مبنی ہو۔ایک سنجدی ناقد ہونے کی حیثیت سے سلیم احمد اپنے قاری کو خوش کرنے کے لیے مصلحت سے کام نہیں لیتے۔ جو ان کے دل میں ہوتا وہی زبان پر ہوتا تھا۔غیبت اور بدگوئی سے نفرت کرتے تھے۔ بے جواز اور بے بنیاد آراء سے اختلاف کرتے ہیں ،ذاتیات پر گفت گو سے گریز کرتے ہیں۔ انھوں نے اُردو میں اصولوں پر مبنی تنقید کو فروغ دیا۔ جہاں تعریف کی ضرورت ہوتی وہاں تعصّبات کو ایک طرف رکھ دیتے۔ ذاتی پسند و ناپسند کو یک سر مسترد کر کے زیرِ مطالعہ شخصیت کی فکر کی گہرائیوں میں اُتر کر تجزیہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔گوکہ اُن پر ذاتی پسند و ناپسند کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر انھیں سرسیّد اور حالیؔ کا مخالف سمجھا جاتا ہے حالاں کہ وہ ان دونوں بزرگوں سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں

رکھتے، بل کہ اُن کا اختلاف اصولی اور نظری ہے۔اِس باب میں اُن کا مضمون ''گڈ بائی ٹو سرسیّد'' اُردو تنقید میں علی گڑھ تحریک کے بارے میں عمومی آرا سے بالکل مختلف ہے اور آج بھی تاریخی اور سماجی شعور کے تناظر میں دعوتِ فکر دے رہا ہے۔اُردو میں ایسی اختلافی آوازیں بہت کم رہی ہیں، البتہ محمّد حسن عسکری پر جب بھی بات کرتے ہوئے محتاط قاری کو ایسا لگتا ہے کہ وہ اصولی اختلاف والی راہِ خارزار ترک کر دیتے ہیں اور عقیدت اور محبت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر مدافعانہ سیپیاں نکالنے لگتے ہیں۔جس کے سبب سلیم احمد کی فکر اور اُسلوب محمّد حسن عسکری کی تحریروں کی توسیعِ محض کا گمان ہونے لگتا ہے۔حال آں کہ حقیقت اِس کے برعکس ہے،اُن کے یہاں متعدد ادبی مسائل ایسے بھی ہیں جن میں وہ، عسکری صاحب سے اختلاف رکھتے تھے۔سراج منیر،ڈاکٹر تحسین فراقی اور جمال پانی پتی نے ادبی تصوّرات کے تناظر میں اِن دو اہم اُردو ناقدین کے اختلافی مسائل کو واضح کیا ہے۔نظیر صدیقی نے اِس صورتِ حال پر تبصرہ تے ہوئے لکھا ہے:

> ''سلیم احمد اُردو کے اُن گنے چنے نقادوں میں سے ہیں، جن کے پاس اپنی ایک فکر اور اپنی ایک نظر ہے۔ اُن کے ذہن اور ذوق کی تشکیل میں عسکری ایک بڑے اثر کی حیثیت تو ضرور رکھتے ہیں، مگر اُن کی تحریریں عسکری کے چبائے ہوئے نوالے نہیں، بل کہ سلیم احمد کے فکر و نظر کا حاصل ہیں۔''(۲۲)

سلیم احمد کو محمّد حسن عسکری ایسے بڑے ناقد سے کیسی ہی عقیدت رہی ہو، اپنی آخری سانس تک جس کے حصار سے وہ باہر نہیں نکل سکے ، اُن کے تنقیدی خیالات آزادانہ غور و فکر کی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے۔وہ جب بھی کوئی تحریر لکھتے ہیں تو اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جس سے وہ اِس نتیجے پر بھی پہنچتے ہیں کہ لوگ ان کے جذبے کی صداقت اور معروضیت پر توجہ دینے کے بجائے انھیں متعصب قرار دیتے ہیں۔ غائر مطالعہ کرنے والا قاری بہت جلد اِس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ سلیم احمد کی فکر اساسی طور پر معروضی ہے، مگر اُسلوب میں ناہمواری بھی ہے۔ اِس ضمن یہ اُن کی یہ یہ تحریر بہت کفایت کرتی ہے:

> ''مَیں زیادہ تر اُن چیزوں کے بارے میں لکھتا ہوں جو برسوں میرے مطالعے میں رہی ہیں اور جنھیں مَیں سوتے جاگتے اِس کثرت سے پڑھتا رہتا ہوں کہ وہ میرے خون کا حصّہ بن گئی ہیں۔ چناں چہ اُن کے بارے میں اپنے خیالات اور محسوسات کا اظہار کرتے وقت مجھے اُن کے حوالے دیکھنے کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی۔ میں اپنے شعور اور لاشعور پر بھروسا کرتا ہوں اور جو کچھ ذہن میں آتا ہے قلم برداشتہ لکھتا جاتا ہوں اور لکھنے کے بعد دوبارہ دیکھتا بھی نہیں کہ کیا لکھا ہے۔ مجھے یہ احساس ہے کہ میرے اس رویّے کی وجہ سے میری کتابوں میں کئی نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔''(۲۳)

سلیم احمد جن مسائل پر سوچتے اور بحث کرتے وہی مسائل آگے چل کر مضامین یا کتابوں کی شکل اختیار کر لیتے۔ وہ کسی کتاب کی تکمیل میں چند دن یا چند گھنٹوں سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتے۔خود سلیم احمد نے ایک جگہ لکھا ہے کہ 'اقبال۔ ایک شاعر' صرف سولہ دن میں، 'غالب کون؟' دو ہفتے میں، 'محمد حسن عسکری۔ انسان یا آدمی' گیارہ دن میں اور 'نئی نظم اور پورا آدمی' بارہ گھنٹے میں لکھی گئی۔ سبک رفتاری کے باوصف اُن کی تحریریں سپاٹ نہیں ہوتیں۔ روانی اور بے ساختگی اُن کی

تحریروں کو قابلِ مطالعہ بنا دیتی ہے۔ پروفیسر سحر انصاری لکھتے ہیں:

''سلیم احمد نے بے شمار موضوعات پر لکھا۔ اُن میں ایک مبصّر اور ایک ناقد کی تجزیہ نگاری موجود تھی اور پھر وہ نتائج کا استنباط کرنے میں بھی اپنا ایک جداگانہ انداز رکھتے تھے۔''(۲۴)

سلیم احمد کی تنقید کا عمومی طریقہ یہ نہیں ہے جس کی طرف سحر انصاری صاحب نے اشارہ کیا ہے، کیوں کہ اِس طریقے میں کسی بنیادی تھیسس کو بنیاد نہیں قرار دیا جاتا، بل کہ تجزیہ اور تحلیل کے بعد مابہ الامتیاز خصائص کی نشان دہی کر کے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے، جب کہ اِس استنباطی طریقۂ کار کے برعکس استخراجی طریقہ کار میں پہلے ایک تھیسس بنا لیا جاتا ہے اور پھر اس کی روشنی میں تخلیق اور تخلیق کار کا مطالعہ کر کے نتائج سے اپنے تھیسس کی توثیق کی جاتی ہے۔ سلیم احمد کے یہاں یہ تکنیک ملتی ہے، پہلے وہ ایک تھیسس قائم کر لیتے ہیں اور پھر اس کی توثیق کے لئے دلائل، براہین، شواہد اور مثالیں پیش کرتے ہیں۔ اس سے اُن کی تنقید میں چونکا دینے والی کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً نئی نظم اور پورا آدمی کا پہلا فقرہ:

''عورت کی طرح شاعری بھی پورا آدمی مانگتی ہے۔''(۲۵)

سلیم احمد کے ذہن میں شاعری کے مطالعہ کے لیے ایک تھیسس تیار ہو چکا ہے، اِسی لیے باقی کتاب اُس کی توثیق کے لیے ایک فُٹ نوٹ کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ سلیم احمد کی تنقیدی تحریروں کا تنوّع قابلِ لحاظ ہے، مگر سینکڑوں کی تعداد میں لکھے گئے مضامین میں فکر شروع سے لے کر آخر تک ایک لڑی میں پروئی ہوئی ہے۔ وہ اپنے اُستاد عسکری صاحب کی طرح اپنی تنقیدی آرا بدلنے پر رضا مند نظر نہیں آتے۔ وہ جب اپنا ایک مؤقف قائم کر لیتے تو پھر خود اس پر قائم ہو جاتے، بل کہ مطالعہ اور دلائل کی بنیاد پر اسے مزید مستحکم کرتے۔ سینکڑوں مضامین میں ایک دو جگہ پر شاید اس طرح ہوا ہے کہ انھوں نے اپنا مؤقف تبدیل کیا ہو۔ مثال کے طور پر جوشؔ اور جوشؔ کی شاعری پر بات کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے:

''شاعری بہ یک وقت قدرتِ کلام اور عجزِ کلام ہے۔ جوش کے یہاں وقت کی شرط نہیں۔ قدرتِ کلام الگ ہے، عجزِ کلام الگ ہے۔''(۲۶)

لیکن ایک اور مضمون میں سلیم احمد خود ہی اِس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''چوں کہ جوش سچے فن کار ہیں اس لیے انھیں احساس ہے کہ شاعری بہ یک وقت قادرالکلامی بھی ہے اور عجزِ کلام بھی۔''(۲۷)

ڈاکٹر سہیل احمد خان، سلیم احمد کے اسلوبِ تحریر کے اِس نقص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سلیم احمد اپنے لگاؤ کو اتنی قوت سے بیان نہیں کر سکتے جتنا اپنی لاگ کو (گو اس لاگ سے محض دشمنی مراد نہیں لینی چاہیے۔)۔ اُن کے اُسلوبِ تحریر کی ایک اور نارسائی اور خامی اُن کی تحریروں میں طوالت کا عنصر بھی ہے، اختصار جو محمّد حسن عسکری کی نمایاں خوبی ہے، جو مظفّر علی سیّد، انتظار حسین، سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر سہیل احمد خان، ڈاکٹر تحسین فراقی اور سراج منیر ایسے عسکری صاحب سے متاثر ناقدین کے یہاں بھی پہلی ترجیح رہا ہے، سلیم احمد کے یہاں مفقود ہے۔ یہ اُسلوب کسی بھی سنجیدہ قاری کو متاثر نہیں کرتا: ''معاف کیجیے بحث لمبی ہوتی جارہی ہے اور بہت سی کہنے کی باتیں ابھی کہی نہیں گئیں۔''(نئی شاعری، نا

مقبول شاعری)''بحث طویل ہوگئی ہے اور ہم ابھی تک مواد سے آگے نہیں بڑھ سکے۔''(ادب اور شعور)''مضمون طویل ہوگیا اور مَیں نے اِس کے سوا کچھ نہیں کہا کہ حفیظ وہ نہیں بن سکے جو وہ بن سکتے تھے۔''(ترکِ محبت کا شاعر)سلیم احمد کے اکثر مضامین کی طوالت بلاجواز ہے۔سلیم احمد دوسروں کی تحریروں میں طوالت کے شاکی رہے ہیں۔معروف نقادوزیر آغا سے متعلق سلیم احمد نے لکھا ہے:

''اب رہ گیا آغا صاحب کا اُسلوبِ نگارش،تو آغا صاحب کی تحریر بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ بے حد طولِ کلام کے عادی ہیں۔''(۲۸)

سلیم احمد کی تحریروں کی یہ طوالت،اُن کے مخصوص مزاج کی آئینہ دار ہے،یہ علمیّت کا رعب جھاڑنے کا ہتھکنڈا نہیں۔

سلیم احمد ایک ذہین اورصاحبِ اُسلوب ناقد کے طور پر زندہ ومنفرد لفظوں کا استعمال جانتے ہیں،خصوصیت کے ساتھ لفظوں میں ایک ربط وتنظیم پیدا کرتے ہیں۔سلیم احمد کو الفاظ کے استعمال پر مکمل قدرت حاصل ہے۔ وہ موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں۔ کہیں لطیف ،کہیں متوازن اور کہیں بھاری الفاظ لاتے ہیں۔ یہ الفاظ عربی،فارسی،ہندی،انگریزی اور دیگر کئی زبانوں سے آتے ہیں اور اُردو کے تنقیدی موادکووسعت بخشتے ہیں۔''غزل،مفلر اور ہندوستان''،''فکر کا طاعون''،سرسید،ریل گاڑی اور کوکا کولا'' یا''میر انیسؔ اور کیمرا'' جیسے عنوانات قاری کو چونکاتے بھی ہیں اورتشویق بھی دِلاتے ہیں،جو اُن کے اُسلوب کی ایک نمایاں صفت ہے ۔سلیم احمد نے اپنے ایک مضمون میں ڈاکٹر وزیر آغا صاحب کی کتاب'' اُردو شاعری کا مزاج'' کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔اِس جائزے میں سلیم احمد علمی اور تحقیقی مباحث کے بعد آخر میں آغا صاحب کی لفظیات پر بھی بات کرتے ہیں اور اُن کی کچھ اغلاط کی نشان دہی کرتے ہیں۔مثلاً یہ کہ آغا صاحب نے "بُت" کوغزل کے تشبیہی اوررر استعاراتی معانی کے بجائے اصل لغوی معانی میں استعمال کیا ہے۔سلیم احمد اپنے موضوع کی مناسبت سے موزوں الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں ،لیکن چند الفاظ ہیں جو سلیم احمد کو زیادہ عزیز ہیں وحدت، کسریت ،تصادم، منصب وغیرہ ۔خصوصاً لفظ''کسریت'' اُن کے اکثر مضامین میں کسی نہ کسی طرح درآتا ہے۔سلیم احمد جب مضمون ختم کرنے کے قریب ہوتے ہیں تو خاص اسلوب میں اشارہ ضرور کرتے ہیں ۔یہ اشارہ مختلف الفاظ کی صورت میں ہوتا ہے جیسے اب رہ گیا ،معاف کیجیے ، یہ ہے،آخری بات وغیرہ ۔معاف کیجیے تو خیر بہ طور تکیہ کلام کے استعمال کرتے ہیں ،لیکن دوسرے اشاروں کا استعمال بھی اس سے کچھ ہی کم ہے ۔''معاف کیجیے'' کو دیکھیے ۔ جو بنیادی طور پر گفت گو کا پیرایہ ہے یا قاری کو سامنے موجود خیال کرنا ہے۔''معاف کیجیے ،مَیں نے نظم کی ایک بڑی روایت کو پیچھے چھوڑ دیا۔''(حالی سے لا مساوی انساں تک)''معاف کیجیے ،بحث لمبی ہوتی جا رہی ہے اور بہت سی کہنے کی باتیں ابھی کہی نہیں گئیں ۔''(نئی شاعری ،نا مقبول شاعری) "معاف کیجیے ، بات یہ نہیں کہ میں فلمیں لکھتے لکھتے اپنے ہیرو کو دیو ہیکل حریفوں سے لڑانے کا عادی ہو گیا ہوں ۔''(ادب اور شعور)''معاف کیجیے ،مجھے احساس ہے کہ میں آپ کو تھکا ئے دے رہا ہوں۔''(ارضی تہذیب کا انجام)سلیم احمد کی تحریر میں بعض اوقات نا مانوس الفاظ بھی آجاتے ہیں مثلاً تدمّغ ،للچاہٹ ،جھانپلیت ،حسّاسی وغیرہ لیکن سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی با معنی اور رواں دواں تحریروں میں ایسے ایک دو الفاظ کی شاید زیادہ اہمیت نہیں ،یہ

چونکانے کی ایک ترکیب بھی خیال کیے جاسکتے ہیں۔سلیم احمد کی تحریر میں روز مرہ کی مثالیں تو بہت ملتی ہیں ۔محاورے کا استعمال بھی کئی جگہوں پر ملتا ہے۔لیکن ان محاوروں کا استعمال بے جانہیں بلکہ بہت موزوں اور مناسب جگہ پر استعمال کیا گیا ہے ۔مثلاً ایک ہی مضمون'' ابہام کیوں'' میں چار محاورے استعمال ہوئے ۔دانت پیس پیس کر ،طوطی بولنا ، چھکے چھوٹ جانا اور طبیعت صاف ہو جانا ۔اِن محاوروں کا استعمال قابلِ توجہ ہے:

''ہر اقتباس پر نظیر صدیقی کا غصّہ بڑھتا جاتا ہے اور وہ دانت پیس پیس کر سب پر حملہ آور ہوتے ہیں۔''

''نظیر صدیقی اور ان جیسے لوگ یہ نہیں کر سکتے ، کیوں کہ طوطی بھی انھیں شعرا کا بول رہا ہے ۔''

''نثر کو تو نظیر صدیقی دو اور دو چار قسم کی چیز سمجھتے ہوں گئے ،مگر اہلِ مشرق کی نثر بھی ایسی ہے کہ چھکے چھوٹ جاتے ہیں ۔''

''نظیر صدیقی وغیرہم اسے پڑھ لیں تو طبیعت صاف ہو جائے ۔''(۲۹)

صورتِ حال کی وضاحت کے لیے شاعر نقاد ہونے کے ناطے وہ تشبیہ و استعارہ سے بھی کام لے لیتے ہیں ۔مثلاً ایک جگہ پر اقبال کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اقبال بھی پہلی کے چاند کی طرح ہیں اور بدرِ کامل بننا چاہتے ہیں ۔اسی طرح عبیداللہ علیم کے سینے کی آگ کو آتش کدہ فارس سے تشبیہ دیتے ہیں۔روزمرہ ومحاورہ اور تشبیہ و استعارہ کے ساتھ ساتھ سلیم احمد نے ضرورت کے مطابق منظر نگاری سے بھی کام لیتے ہوئے اپنے بیاں میں زور پیدا کیا ہے ۔درج ذیل عبارت میں انھوں نے ایک مخصوص صورت کو بڑی ہنرمندی سے پیش کیا ہے۔''ادھر محبوبہ ہیں کہ اندر ہی اندر پسیجی جا رہی ہیں مگر اوپر سے سادہ معصوم بنی ہوئی ہیں ۔ادھر عاشق صاحب ہے کہ گناہ کی حسرت میں سوکھے جا رہے ہیں مگر محبوبہ کا ہاتھ پکڑنت کی ہمت نہیں پڑتی ۔یہ ہے اختر شیرانی اور سلمٰی کی ملکوتی محبت کا بُھکتان''۔(نئ نظم اور پورا آدمی)ایک اور جگہ صرف دو جملوں میں قاری کے سامنے ایک واقع کا نقشہ کھینچ کے رکھ دیتے ہیں ۔''آخری خبر مجموعے کے بجائے اخباروں میں چھپی ۔مجاز ایک شراب خانے کی چھت پر سردی سے سکڑ کر مر گئے ۔''(نئ نظم اور پورا آدمی)

ضرب الامثال ادبی زبان کا ایک خوب صورت عنصر ہیں،جس سے تحریر حلاوت، جذبیت اور طراوت پیدا ہوتی ہیے ۔امثال کی بنیاد کسی قوم کی تہذیب میں ہوتی ہے ۔لوگ روز مرہ کی گفت گو میں اِن کا استعمال کرتے ہیں ۔عام طور پر یہ ضرب الامثال جو بظاہر ایک مختصر جملے پر مشتمل ہوتی ہے، اُن میں کوئی قصہ یا داستان پنہاں ہوتی ہے جو بزرگوں کے تجربات اور مشاہدات کی عکاسی کرتی ہے ۔اِنھی داستانوں، حکایتوں اور ضرب الامثال کی مدد سے ہم زبان کی وسعت کا اندازہ لگا سکتے ہیں ۔عربی کی مشہور ضرب المثل ہے:

"المثل فی الکلام کالملح فی الطعام "

ترجمہ: ضرب المثل گفت گو میں ایسے اہمیت رکھتی ہے جیسے غذا میں نمک۔

سلیم احمد کی تحریروں میں بھی ضرب الامثال کا کثرت سے استعمال نظر آتا ہے اور اِس استعمال نے اُن کی نثر کو چار چاند لگا

دیے ہیں ۔یہاں پر سلیم احمد کی تحریروں میں استعمال ہونے والی چند ضرب الامثال درج کی جاتی ہیں: ''ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں جس کا ہاتھی اُس کا ناؤں''،''مرے پہ سو درّے''،''نیم حکیم خطرۂ جاں''،''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی ''درج بالا مثالیں تو نمونے کی چند مثالیں ہیں ۔اس کے علاوہ بھی سلیم احمد نے حسبِ ضرورت ضرب الامثال کا استعمال بہت خوب صورت انداز میں کیا ہے ۔فارسی زبان میں عامیانہ اصطلاحات اور ضرب الامثال کا استعمال اردو زبان کی نسبت زیادہ ہے۔لہٰذا سلیم احمد نے بھی اپنی تحریروں میں اردو کی ضرب الامثال سے زیادہ فارسی کی ضرب الامثال دی ہیں۔ یہاں فارسی کی چند ضرب الامثال پیش کی جاتی ہیں جو سلیم احمد کی تنقیدی تحریروں میں موجود ہیں ۔''خوئے بدرا بہانہ بسیار''،''مے باقی و مہتاب باقیست''،''باایں ہمہ راز است کہ معلوم عوام است''،''برہنہ حرف نہ گفتن کمال دانائی است''ضرب الامثال کے علاوہ سلیم احمد نے موقع کی مناسبت کے ساتھ فارسی جملے اور فارسی شاعری کے مصرعے بھی استعمال کیے ہیں جیسے:''عسکری صاحب تو میرے لیۓ طبیبِ جملہ علّت ہائے ما' کی حیثیت رکھتے ہیں ۔''(ایک ذاتی مسئلہ) "وہ بھی ترکِ شاعری کے ارادے کے بعد'سوئے قطارمی کشم ناقہ بے زمام را'' تک پہنچ جاتے ہیں ۔'' (خطرناک شاعر)اُردو زبان میں کوئی بھی سنجیدہ تحریر لکھنا مقصود ہو تو فارسی اور عربی الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے ۔سلیم احمد کی تحریروں میں جہاں فارسی زبان کے جملوں، مصرعوں اور ضرب الامثال کی کثرت ہے، وہیں ذرا کم تعداد میں عربی آیات بھی مل جاتی ہیں۔عربی آیات کے استعمال میں اُنھوں نے تقابلی انداز اپنایا ہے۔ذیل میں نمونے کی ایک تحریر پیش کی جاتی ہے۔

> ''وہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہوتی ہے جو خود نا قابلِ اظہار ہوتی ہے اور اس کے اظہار کا اس کی علامت سیا تنا گہرا تعلق ہوتا ہے کہ علامت کے بغیر وہ ظاہر نہیں ہوسکتی جیسیٰ اللہ نور السموات والارض' ہے۔''(۳۰)

اسم واحد کی جمع بنانے کے اُردو زبان میں مختلف طریقے ہیں ۔ اُن میں ایک طریقہ یہ بھی ہے اسم کے آخر میں ''و''اور''ں'' کا اضافہ کر دیا جائے۔یہ ہی طریقہ سلیم احمد نے زیادہ برتا ہے۔وہ اکثر اسماء کی جمع اسی طریقے کے تحت بنائی ہے۔ جیسے مضمون سے مضمونوں ،تنقید سے تنقیدوں،محبوب سے محبوبوں، کتاب سے کتابوں اور تہذیب سے تہذیبوں وغیرہ۔

سلیم احمد کے اسلوب تنقید کا ایک خاص رنگ تبصرہ کتب کے ضمن میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اُنھوں نے اگرچہ تنقیدی تبصرے کم لکھے ،لیکن جو لکھے وہ نہ صرف علمی حوالے سے جان دار اور معنی خیز ہیں،بل کہ اُن میں سلیم احمد کا ایک خاص اسلوب نظر آتا ہے۔ اُن تبصروں میں سے ممتاز حسین کی کتاب''ادب اور شعور'' کا جائزہ ،ڈاکٹر وزیر آغا کی کتاب ''اُردو شاعری کا مزاج''، نظیر صدیقی کی کتاب'' میرے خیال میں'' کا محاکمہ اور ممتاز شیریں کے افسانوی مجموعے "میگھ ملہار" پر تبصرہ قابلِ ذکر ہیں۔سلیم احمد نے اُن کتب کی فنی و فکری خوبیوں اور خامیوں کو اپنے مخصوص تاثراتی انداز اُسلوب میں پیش کیا ہے۔جو مذکورہ کتب پر لکھے گئے تحریروں میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔نظیر صدیقی کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ،درجِ ذیل تمہیدی سطور اُردو کے عمومی تنقیدی رویّے کے اُتھلے پن کو بخوبی آشکار کر دیتے ہیں:

> ''اُردو تنقید میں بزرگوں کی کفن فروشی تو بہت ہوتی ہے لیکن معاصر ادب یا زندہ ادیبوں پر اس وقت تک توجہ نہیں دی جاتی جب تک دوستی پالنے یا دوستی نکالنے کا موقع نہ آجائے۔''(۳۱)

سلیم احمد زرخیز ذہن کے مالک ایک تخلیقی نقاد تھے۔ اُن کے اُسلوبِ تنقید میں بھی تخلیقی رنگ نمایاں ہیں۔ وہ جو کچھ بولتے یا لکھتے ،اُن کے بیدار ذہن کے گہرے مطالعے اور مشاہدے کا نچوڑ ہوتا ہے۔ وسعتِ مطالعہ اور مشاہدے کے باعث اُن کی تحریروں میں اثر آفرینی کی صفت پیدا ہوجاتی تھی۔ اُن کے لفظوں میں ایک روشنی ملتی ہے، جو قاری کو ادب کی نظری اور اصولی منہاج تک پہنچنے میں مدد کرتی ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں لڑنا جانتے تھے اور خوب لڑتے تھے اور اس وقت تک مبارزت طلب رہتے تھے جب تک کہ مدمقابل پسپائی اختیار نہ کرلے۔ یہ اثر آفرینی، روشنی، مبارزت طلبی، چشمک اور دل چسپی سلیم احمد کے اُسلوب کی شناخت بنتی ہے۔ سلیم احمد کی کتاب مضامین (یہ کتاب ۱۹۷۰ء میں احمد ندیم قاسمی شائع کر رہے تھے، مگر کتابت کے مکمل ہونے کے باوجود بوجوہ شائع نہ ہوسکی، سلیم احمد کی فرمایش پر مجوزہ کتاب کے لیے لکھے گئے دیباچے میں نظیر صدیقی نے اُن کے اُسلوب نثر کا عمدہ تجزیہ کیا ہے، جس کی مدد سے اُن کے بسیط تنقیدی مواد کو سمجھا جاسکتا ہے:

> ''کوئی بھی ادب شناس اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ سلیم احمد ایک صاحبِ طرز نثر نگار ہیں۔ اُن کی نثر حد درجہ صاف، شگفتہ، دِل چسپ اور دل نشیں ہوتی ہے۔ وہ افہام و تفہیم کے فرائض کو اچھی طرح انجام دیتی ہے۔ اُن کے جملے اُن کی غیر معمولی تجزیاتی صلاحیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ تسلسل اور تواتر کے ساتھ ذہانت آمیز اور دِل چسپ جملے لکھنا کوئی آسان کام نہیں ۔ تاہم اُن کی تحریروں میں غضب کی روانی اور بلا کی بے ساختگی پائی جاتی ہے۔''(۳۲)

سلیم احمد کے اُسلوبِ تنقید کے اِس مطالعے کے آخر میں ایک قدرے طویل اقتباس سے اُن کے کثیر جہتی تنقیدی اُسلوب کو واضح کرنی کی کوشش کی جارہی ہے، جس میں اُردو کے اہم ترین شعرا کے کلیدی اختصاص کو بنیاد بنا کر اور کلاسیکی شاعری کے دو معروف دبستانوں کی قلعی کھولتے ہوئے اقبالؔ کی عظمت ظاہر کی جارہی ہے۔ یہ تقابل اور تجزیہ سلیم احمد کے اُسلوب اور فکر کی ایک قابلِ ذکر مثال بھی ہے:

> ''ضربِ کلیم'' میں خیال کی شاعری ضرور ہے، مگر مجرّد خیال کی نہیں ۔خیال میں ہر جگہ جذبہ ملا ہوا ہے اور اُس میں گہرائی تک اُترا ہوا ہے کہ ایک بالکل نئے لب و لہجے کی تخلیق کرتا ہے۔ یہ لب و لہجہ نہ صرف اقبالؔ کے کلام میں، بل کہ پوری اُردو شاعری میں نیا ہے۔ اِس میں نہ صرف دہلوی اسکول کی یک رُخی اور بے تہہ الم نا کی ہے نہ لکھنؤ کے جذباتی اسکول کی رقّت خیز منمناہٹ۔ غالبؔ کے لب و لہجے کی طرح یہ بھی بڑا خود اعتماد اور خود آگاہ لب و لہجہ ہے۔ محکم ، پُروقار اور پُرقوت، لیکن غالب کے ہاں یہ خصوصیت صرف اپنی شخصیت کے احساس سے پیدا ہوئی ہے۔ غالبؔ کی شخصیت کے تمام رنگ ذاتی ہیں اور اُس کے تمام امکانات اُس وقت بروئے کار آتے ہیں، جب وہ اپنی شخصیت کو اپنے کم سوا دزمانے سے ٹکرا کر دیکھتے ہیں۔ ہر چہ در گفتار فخر تست آں ننگِ من است، مومنؔ نے اپنے محبوب کے بارے میں کہا تھا: شعلہ سا لپک جائے ہے ، آواز تو دیکھو ،غالب کی آواز سچ مچ ایک لپکتے ہوئے شعلے کی طرح ہے۔ اُس کے مقابلے

پر''ضربِ کلیم'' میں اقبالؔ کے احساسِ ذات کا اظہار دیکھیے ۔۔۔۔ذکر تو سزا کا ہے ،مگر اِس سزا پر اقبالؔ کو کتنا ناز ہے اور کس نرمی ،محبت اور جذباتی نظم و ضبط کے ساتھ اپنی شخصیت کی اہمیت اور اپنے کام کی عظمت کا احساس دِلایا ہے۔پھر آخری شعر کے ہلکے سے طنزیہ انداز کو دیکھیے جس نے محرومی پر بے پناہ نازکی کیفیت اور بھرپور کردیا ہے۔''ضربِ کلیم''میں اقبال کے لب و لہجے ایک نمایاں خصوصیت ایک خاص قسم کی طنزیہ کیفیت ہے ،جواشعار کی تہہ میں ایک محسوس مگر غیر مرئی برقی رو کی طرح دوڑی ہوئی ہے۔''ضربِ کلیم'' سے پہلے اُردو شاعری میں اِس کی کوئی نظیر کم از کم مجھے نظر نہیں آتی۔سودا کا طنز کھانڈے کا وار ہے کہ بھنڈارا کھول دیتا ہے:'اِک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے' ،اکبرؔ نے طنز کے فن کو اُس کمال پر پہنچایا کہ خود اقبال نے اپنی ابتدائی شاعری میں اُن کی پیروی کی اور اتنے خلوص کے ساتھ کہ اپنی شاعری کے ارتقائی مدارج دکھانے کے لیے اُس پر شرمائے بغیر اپسے اپنے پہلے مجموعہء کلام میں شائع کیا،لیکن اکبر اور اکبری اقبال اُس وقت کے نمایاں معاشرتی تضادات لے کر اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔۔۔۔لیکن ''ضربِ کلیم'' میں اقبالؔ کا طنز اتنا لطیف ہے کہ اُسے لہجے کی اندرونی تہوں میں جاری و ساری محسوس تو کیا جاسکتا ہے،مگر الفاظ کی گرفت میں نہیں لایا جاسکتا۔''(۳۳)

الفاظ کے انتخاب سے اُردو شعری روایت کے تعارف تک،پھر تاریخی و تہذیبی تناظر میں کسی بھی بڑے شاعر کا بُت توڑے بغیر اپنے موضوع سے انصاف کرنا سلیم احمد کے تنقیدی اُسلوب کے مؤثر اور عمیق ہونے کی دلیل ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1. Vorshney, R.L . An Introductory Test Book of Linguistics and Phonetics, India: Students store,(1980) pp.358-89.

۲۔ شوکت سبزواری،ڈاکٹر؛نئی پرانی قدریں،مکتبۂ اُسلوب کراچی،۱۹۶۱ء،صفحہ۱۸۶

۳۔ سلیم احمد،مضامینِ سلیم احمد،مرتّب؛ جمال پانی پتی،اکادمی بازیافت ،کراچی،۲۰۰۹ء،صفحہ۴۹۷

۴۔ طارق سعید،اُسلوب اور اسلوبیات ، نگارشات لاہور ،۱۹۹۸ء،صفحہ۱۵

۵۔ سلیم احمد ،غالب کون؟،مطبوعات المشرق کراچی،۱۹۷۱ء،صفحہ ۴۵

۶۔ ایضاً،صفحہ۱۱۷

۷۔ طارق سعید، اُسلوب اور اسلوبیات ،محولہ بالا۲۱،صفحہ۳۲

۸۔ سلیم احمد ،ادھوری جدیدیت،سفینہ اکیڈمی کراچی،۱۹۷۷ء،صفحہ۱۰

۹۔ سہیل احمد،ڈاکٹر،طرفیں،سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور،۱۹۸۸ء،صفحہ۱۶۴

۱۰۔ سلیم احمد، مضامینِ سلیم احمد،مرتبہ؛ جمال پانی پتی،محولہ بالا ۶ ،صفحہ۲۲

۱۱۔ خواجہ رضی حیدر،سلیم احمد۔مشاہدے ،مطالعے اور تاثرات کی روشنی میں،ایوانِ محدثؒ سورتی،نشر ح فاؤنڈیشن کراچی،۲۰۱۲ء، صفحہ۱۵۶

۱۲۔ ایضاً،صفحہ۱۵۵

۱۳۔ سلیم اختر ،ڈاکٹر،سلیم احمد شخص اور نقاد ،مشمولہ روایت نمبر۳ (سلیم احمد نمبر)، مکتبہ روایت لاہور، ۱۹۸۷ء،صفحہ۶۳۲

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ خواجہ رضی حیدر،سلیم احمد۔ مشاہدے ، مطالعے اور تأثرات کی روشنی میں،محولہ بالا۱۴،صفحہ۶۶

۱۶۔ سلیم احمد،نئی شاعری نا مقبول شاعری،نفیس اکیڈمی کراچی،۱۹۸۹ء،صفحہ۱۶۴

۱۷۔ سلیم احمد،خط بنام نظیر صدیقی ،مشمولہ روایت نمبر۳ (سلیم احمد نمبر) ،محولہ بالا ۱۶ ،صفحہ ۱۶۵

۱۸۔ سلیم اختر ،ڈاکٹر،سلیم احمد شخص اور نقاد ،مشمولہ روایت نمبر۳ (سلیم احمد نمبر)،محولہ بالا ۱۶ ،صفحہ۶۲۸

۱۹۔ سلیم احمد، مضامینِ سلیم احمد، مرتبہ؛ جمال پانی پتی،محولہ بالا ۶ ،صفحہ۵۵۸

۲۰۔ مختار احمد عزمی، ڈاکٹر، سلیم احمد۔ شخصیت اور فن ، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، ۱۹۹۴ء،صفحہ۲۳۱

۲۱۔ سلیم احمد،شکستِ طلسمِ رومانیت یعنی گڈ بائی ٹو اختر شیرانی،مشمولہ معیار شمارہ ۱۳،جنوری تا جون ۲۰۱۵ء،مُدیر ڈاکٹر عزیز ابن الحسن،شعبہء اُردو بین الاقوامی اسلامی یونی، اسلام آباد،صفحہ۱۸۱

۲۲۔ سلیم احمد،مضامینِ سلیم احمد، مرتبہ؛ جمال پانی پتی،محولہ بالا ۶ ،صفحہ۱۳

۲۳۔ خواجہ رضی حیدر،سلیم احمد۔ مشاہدے ، مطالعے اور تأثرات کی روشنی میں،محولہ بالا۱۴،صفحہ۱۸۲۔۱۸۳

۲۴۔ سحر انصاری،سلیم احمد اور اقبال شناسی ،مشمولہ روایت نمبر۴ (سلیم احمد نمبر)، لاہور: مکتبۂ روایت، ۱۹۸۷ء ،صفحہ۵۲۲

۲۵۔ سلیم احمد،مضامینِ سلیم احمد، مرتبہ؛ جمال پانی پتی،محولہ بالا ۶ ،صفحہ۲۵

۲۶۔ ایضاً،صفحہ۵۳۸

۲۷۔ ایضاً،صفحہ۷۲۲

۲۸۔ ایضاً،صفحہ۶۶۲

۲۹۔ ایضاً،صفحہ۲۴۴۔۲۴۵

۳۰۔ ایضاً،صفحہ۲۵۰

۳۱۔ ایضاً،صفحہ۶۷۳

۳۲۔ نظیر صدیقی ،کچھ مضامین کے بارے میں،مشمولہ روایت نمبر۴ (سلیم احمد نمبر)،محولہ بالا ۲۶ ،صفحہ۴۸۴

۳۳۔ سلیم احمد، ''ضربِ کلیم ۔فلسفہ یا شاعری مشمولہ مضامینِ سلیم احمد مرتّب جمال پانی پتی،محولہ بالا،صفحہ ۶۳۱۔۶۳۰